حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، دامت برکاتہم
نائب رئیس ——— جامعہ دار العلوم کراچی

یادیں

(اڑتیسویں قسط)

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر دل کا پہلا حملہ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ مطابق ۸/جون ۱۹۷۲ء کو ہوا تھا۔ اس کے بعد ان کی کمزوری بڑھتی چلی گئی، شروع میں انہیں تفسیر معارف القرآن کو مکمل کرنے کی آرزو تھی وہ بستر ہی پر رہ کر تفسیر لکھنے میں مصروف رہتے تھے۔ اتوار کی مجلس بھی وہیں ہوجاتی تھی، اور حضرت مولانا قاری رعایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ان دنوں دار العلوم کے ناظم اعلی تھے، روزانہ ظہر سے پہلے کچھ دیر حضرتؒ کے سامنے کرسی پر بیٹھ کر دار العلوم کے اہم معاملات انہیں بتا کر ان کی رہنمائی لے لیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دار الافتاء سنبھالا ہوا تھا، اور وہ بھی کبھی کبھی کسی فتوے کے بارے میں مشورہ کرنے کے لئے تشریف لے آتے تھے، اور میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے برابر والے کمرے میں دفتر بنا کر حضرتؒ کے بے نام سیکریٹری کے فرائض انجام دیتا رہتا تھا۔ حضرتؒ کو وقفے وقفے سے دل پر دباؤ کی سی کیفیت رہتی تھی جس کی اُداسی چہرہ مبارک پر صاف دیکھی جاسکتی تھی۔ ایسے مواقع پر کچھ گھریلو ٹوٹکے استعمال کرلئے جاتے تھے۔ حضرتؒ کروٹ سے لیٹ جاتے، اور میں یا بھائی رفیع صاحب مدظلہم ان کی ریڑھ کی ہڈی کے دونوں طرف ہلکے ہلکے دباتے تو اُس سے انہیں قدرے سکون ہوجایا کرتا تھا۔ لیکن یہ کیفیت بڑھتی چلی گئی، اور چہرے پر اداسی میں اضافہ ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ ایک دن فرمایا کہ اب میرے دل میں کوئی خواہش باقی نہیں رہی، یہاں تک کہ پہلے معارف القرآن کی تکمیل کی بھی جو خواہش تھی، اب وہ بھی نہیں ہے۔ جتنا اللہ تعالی کرادیں گے، میں اُس پر راضی ہوں، اور یہ آیت بھی بکثرت پڑھا کرتے تھے کہ:

(مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ) (النحل: ۹٦)

اس کے باوجود حضرتؒ نے تفسیر کا کام جاری رکھا ہوا تھا، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ ۲۱ رشعبان ۱۳۹۲ھ میں مکمل ہوگیا۔ اتنی بڑی آٹھ جلدوں کی تفسیر کی طباعت کے لئے اس زمانے میں بڑے مالی وسائل درکار تھے جو شروع میں مہیا نہیں تھے، لیکن جنوبی افریقہ میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک معتقد جناب حاجی عبدالحی وراچھیہ رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی جلد کی طباعت کے اخراجات اپنے ذمے لئے تھے۔ پھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ انتظام فرمایا تھا کہ پہلی جلد کی فروخت میرے بڑے بھائی حضرت محمد رضی عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے ان کے دارالاشاعت سے کروائی، اور فروخت کی پوری رقم اگلی جلدوں کی طباعت کے لئے اپنے پاس محفوظ رکھی، اور اس سے دوسری جلد چھپوائی۔ شروع میں اس کے حساب وکتاب کا کام بھی خود ہی فرماتے رہے۔ بعد میں یہ کام مجھے سپرد فرمادیا تھا۔ جتنی رقم ایک جلد کی فروخت سے حاصل ہوتی، اس کا پورا حساب میں رکھتا تھا، اور اگلی جلد کی طباعت کا خرچ اسی آمدنی سے پورا کرتا تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آٹھوں جلدوں کی طباعت کا انتظام فرمادیا۔

معارف القرآن کی تکمیل کے بعد حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ان پرانی تالیفات کو مرکز توجہ بنایا جو کسی وقت شروع کی تھیں، اور نامکمل رہ گئی تھیں، چنانچہ ۱۳۹۲ھ کے اختتام کے بعد سے ۱۳۹۵ھ کے عمرے کے سفر تک ایسی بہت سی تالیفات کو مکمل فرمالیا تھا۔

دل کا یہ دوسرا دورہ جو میرے سفر نیروبی کے دوران ہوا تھا اور جس کا پورا واقعہ میں نے اوپر لکھا ہے، اس کے بعد حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحت مزید گرتی چلی گئی۔ اب زیادہ تر انتظامی کام میرے بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم، حضرت مولانا قاری رعایت اللہ صاحب اور حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے سپرد کردئے تھے، اور ان کے انداز سے یوں لگتا تھا جیسے وہ اب اللہ تعالیٰ کے حضور جانے کے لئے اس طرح تیار بیٹھے ہیں جیسے کوئی مسافر ٹرین آنے کے انتظار میں بیٹھا ہوتا ہے۔ ساری زندگی تحریر وتصنیف میں گذری تھی، اور میری والدہ مرحومہ نے، جو بذات خود بیمار تھیں، انہیں ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھتے ہوئے دیکھا تھا، اور جب وہ انہیں قلم کے بغیر دیکھتیں، تو ایسا لگتا تھا جیسے ان کے دل پر چوٹ لگ رہی ہو، وہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہتیں: "کچھ لکھ لو"، اور اس کے جواب میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر ایک اداس مسکراہٹ آجاتی۔ البتہ فتاویٰ پر نظر ثانی کا کام آخر تک جاری رکھا، نیز

اتوار کی مجلس بھی اس طرح جاری رکھی کہ حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب مدظلہم حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات پڑھکر سُناتے تھے، اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہیں کہیں کچھ تشریح فرمادیتے تھے۔

وفات سے پہلے اتوار کو جو آخری مجلس ہوئی، اُس میں پہنچنے میں مجھے کچھ دیر ہوگئی، کمرہ اس وقت بھر چکا تھا، اور میں آخری صف میں کچھ جگہ بنا کر بیٹھنا چاہ رہا تھا۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے دیکھا، تو فرمایا: " یہاں میرے پاس چار پائی پر آجاؤ "۔ مجھے کچھ تردد ہونے لگا، تو فرمایا: " آجاؤ، پھر میں تمہیں ایک واقعہ سُناؤں گا "۔ تعمیلِ حکم کے لئے میں آگے بڑھکر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چار پائی کی پائنتی پر بیٹھ گیا۔ اُس وقت فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کچھ دیر سے پہنچا تھا، اور کسی پچھلی صف میں بیٹھنے لگا تھا، تو حضرتؒ نے مجھے اپنے قریب (شاید تخت یا چار پائی پر) بٹھانے کے لئے بلایا، مجھے تردد ہوا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ " آجاؤ، میں تمہیں ایک واقعہ سناؤنگا۔ چنانچہ میں نے حکم کی تعمیل کی اور حضرتؒ کے پاس جاکر بیٹھ گیا۔ اس پر حضرت نے یہ واقعہ سُنایا کہ شاہ جہاں کی وفات کے بعد مسئلہ یہ تھا کہ اس کے دو بیٹوں اورنگ زیب عالمگیر اور دارا شکوہ میں سے کون اس کا جانشین بادشاہ بنے۔ اُس زمانے میں ایک بڑے صوفی بزرگ تھے (جن کا نام مجھے اب یاد نہیں آرہا) دونوں ان کی خدمت میں دعا کرانے گئے۔ پہلے دارا شکوہ پہنچے تو بزرگ نے انہیں اپنے پاس تخت پر بیٹھنے کے لئے کہا، لیکن دارا شکوہ نے عذر کردیا کہ میں آپ کے پاس بیٹھنے کے لائق نہیں ہوں۔ بعد میں اورنگ زیب عالمگیرؒ گئے، ان کو بھی بزرگ نے اپنے پاس تخت پر بیٹھنے کو کہا تو وہ کسی تأمل کے بغیر ان کے پاس تخت پر جا بیٹھے۔ اس پر ان بزرگ نے کہا کہ ان دونوں نے خود ہی اپنے تخت پر بیٹھنے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا کہ تخت شاہی اورنگ زیب عالمگیرؒ ہی کو ملا۔

بہر حال ! حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ انتظار وصال میں دن گذارتے رہے۔ ایک دن ایسا بھی ہوا کہ ایک صاحب بیمار پُرسی کے لئے آئے، اور انہوں نے شفاء کامل کی دعا کی۔ وہ چلے گئے تو بیساختہ آنسو آگئے، اور یہ شعر پڑھنے لگے:

وہ لوگ جو میرے لئے خواہاں ہیں شفا کے
وہ کوس رہے ہیں مجھے پردے میں دعا کے

اسی دوران رمضان آگیا، اور رمضان میں آپ کی طبیعت معمول سے زیادہ خراب رہی، بار بار دل پر

دباؤ ہوتا، اور اداسی مزید بڑھ جاتی۔ عید آئی، تو ایک روز فرمانے لگے:" میرا حال بھی عجیب ہے۔ رمضان المبارک میں کبھی دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ وقت تو قریب نظر آ رہا ہے، میری وفات رمضان میں ہوجائے، تو اچھا ہو، لیکن میں یہ دعا بھی نہ کرسکا، کیونکہ مجھے یہ خیال آیا کہ اگر میری وفات رمضان میں ہوئی، تو میرے گھر والوں اور احباب کو روزے کی حالت میں صدمے کے علاوہ تجہیز، تکفین کی مشقت اٹھانی پڑے گی،

پھر یہ شعر پڑھا:

تمام عمر اسی احتیاط میں گذری
کہ آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

آخر رمضان المبارک کے ٹھیک دس دن بعد وقتِ موعود آ پہنچا۔ صبح کو ایک فتویٰ لکھا، اور اُسکے فوراً بعد دل کا شدید دورہ ہوا، اور اسی رات جو ۱۱ شوال ۱۳۹۶ھ کی رات تھی، اچانک بجلی کے جانے سے پورے ماحول پر اندھیرا چھا گیا۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معالج ڈاکٹر اسلم صاحب نے ہسپتال لے جانے کا اصرار کیا، وہ شروع میں راضی نہ تھے، لیکن ڈاکٹر صاحب کے اصرار پر راضی ہوگئے۔ ڈاکٹر صاحب ہمیں پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ حالت تشویشناک ہے، غرض اسی حالت میں ہسپتال لے جایا گیا، اور وہیں پر جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مجھے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں جب ان کی وفات کا تصور آتا تھا، تو ایسا لگتا تھا کہ میں اس صدمے کو برداشت نہیں کرسکوں گا۔ لیکن جب یہ وقت آ گیا، تو ایسا معلوم ہوا کہ آنسو خشک ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم چار بھائیوں، تین بہنوں اور والدہ مرحومہ کو ہمت عطا فرمائی، اور زندگی کا یہ سب سے بڑا سانحہ بھی گذر گیا۔ **رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ واسکنہ جنات النعیم فی مقعد صدق۔**

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں میں نے البلاغ کا مفتیٔ اعظم نمبر دو جلدوں میں شائع کیا جس میں حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم نے "حیاتِ مفتیٔ اعظم" کے نام سے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح لکھی، اور میں نے "میرے والد، میرے شیخ" کے عنوان سے ان کے مزاج و مذاق پر مفصل مضمون لکھا ہے، یہ دونوں کتابیں الگ بھی شائع ہوگئی ہیں۔ نیز اس نمبر میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اس وقت کے مشاہیر اہل علم کے انتہائی مفید مضامین شامل ہیں۔

مکہ مکرمہ کی تعلیمی کانفرنس

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کے زمانے کی بات ہے۔ اب مجھے صحیح سن تو یاد نہیں رہا، لیکن شاید ۱۹۷۳ء ہوگا۔ جب حج کا موسم قریب آیا، تو مجھے کہیں سے حج بدل کی پیشکش ہوئی۔ ۱۹۶۴ء کے حج کے بعد سے مجھے حرمین شریفین حاضر ہونے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس لئے دل للچایا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں، لیکن حضرت والد صاحبؒ کی علالت کی وجہ سے انہیں اس حالت میں چھوڑ کر جانے پر بھی دل آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ کسی طرح حضرت والد صاحبؒ کو علم ہوگیا۔ انہوں نے بھی دبے لفظوں میں جانے کی اجازت دیدی، لیکن سوچنے کے بعد دل نے یہی فیصلہ کیا کہ الحمدللہ فریضۂ حج ادا ہوچکا ہے۔ اس وقت نفلی حج کے لئے جانا مناسب نہیں۔ چنانچہ میں نے نہ جانے کا فیصلہ کرلیا۔ حضرت والد صاحبؒ نے کسی موقع پر پوچھا کہ حج کا کیا ہوا؟ تو میرے منہ سے نکلا کہ "اباجی! ہمارا حج عمرہ تو یہیں ہے" حضرت والد صاحبؒ یہ جملہ سُن کر بہت خوش ہوئے، دعائیں دیں، اور کچھ اس طرح کی بات ارشاد فرمائی کہ ان شاء اللہ تعالیٰ تمہیں حرمین شریفین کی بہت حاضریاں نصیب ہوں گی۔ حضرت والد صاحبؒ کی دعاؤں کا ہی اثر ہے کہ الحمدللہ اُس کے بعد سے کوئی سال ایسا نہیں گیا جس میں ایک سے زائد مرتبہ حاضری نصیب نہ ہوئی ہو، بلکہ اب تو سالہا سال سے ایسا ہورہا ہے کہ ہر تیسرے چوتھے مہینے حاضری ہوجاتی ہے۔ اس واقعے کے کچھ ہی عرصے کے بعد اول تو خود حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ رمضان کا عمرہ کرنے کا موقع ملا جس کی تفصیل پیچھے عرض کرچکا ہوں۔ پھر حضرت والد صاحبؒ کی وفات کے چند ہی مہینوں کے بعد کراچی یونیورسٹی کے صدر شعبۂ عربی میرے پاس آئے، اور انہوں نے کہا کہ ہم جدہ کی جامعۃ الملک عبدالعزیز کے ساتھ مل کر مکہ مکرمہ میں "اسلامی تعلیم" کے موضوع پر ایک عالمی کانفرنس منعقد کررہے ہیں۔ اُس میں پاکستان کے دینی مدارس کے نظام اور نصاب کے موضوع پر آپ ایک مقالہ لکھیں، اور اُس مقالے کے ساتھ کانفرنس میں شریک ہوں۔ چنانچہ میں نے "منهج التعليم الديني في باكستان" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھ کر کانفرنس میں بھیج دیا، جو اب الگ شائع ہوچکا ہے، اور اُس میں نئے حالات کے تحت ترمیم واضافہ کے بعد وہ میرے عربی مقالات کے مجموعے "مقالات العثماني" کا حصہ بن چکا ہے۔

جب کانفرنس کا وقت آیا، تو میرے بچپن کے دوست جناب محمد کلیم صاحب (مجاز بیعت حضرت عارفی قدس سرہ) نے بھی میرے ساتھ عمرے پر جانے کا ارادہ کرلیا، اور اپنے خرچ پر اس پورے سفر میں ساتھ

رہے۔ کانفرنس ۱۲/ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ مطابق ۳۱/ مارچ ۱۹۷۷ء کو شروع ہوئی تھی، اس وقت ملک میں ذوالفقار علی بھٹو صاحب مرحوم کے خلاف ایک زبردست تحریک چل رہی تھی، جس کی وجہ سے ملک بدامنی کا بھی شکار تھا۔ اس لئے مجھے حکومت پاکستان سے اجازت لینے میں دیر ہوگئی، اور میں کانفرنس شروع ہونے کے دو دن بعد روانہ ہوسکا۔ اس وقت مکہ مکرمہ کے مضافاتی علاقے "ام الجود" میں انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل بڑی شان وشوکت کے ساتھ نیا نیا بنا تھا۔ کانفرنس اُسی میں ہوئی تھی، اور قیام کا انتظام بھی اُسی میں تھا۔ چنانچہ ہم وہاں پہنچے۔ میرے لئے کمرہ وہیں پر بک تھا۔ لیکن حرم سے دور ہونے کی بنا پر مجھے وہاں ٹھہرنا بہت بھاری معلوم ہوا۔ اس لئے میں نے منتظمین سے درخواست کرکے اپنا قیام وہاں سے فندق مکہ میں منتقل کرلیا۔ یہ ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کی طرح شاندار تو نہیں تھا، لیکن حرم کے باب العمرہ کے بالکل سامنے واقع تھا، اور ۱۹۷۳ء کے رمضان میں حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ ہم نے اُسی میں قیام کیا تھا۔ چنانچہ دل کی مراد برآئی، اور حرم کا قرب نصیب ہوگیا۔

کانفرنس کے اوقات میں ہم انٹر کانٹی نینٹل جاتے، اور باقی اوقات میں حرم شریف سے فیضیاب ہوتے رہے۔ میں حضرت والد صاحبؒ کے خادم کے طور پر تو بین الاقوامی کانفرنسوں میں شریک ہوتا رہا تھا، لیکن کسی بین الاقوامی کانفرنس میں بحیثیت مندوب شریک ہونے کا یہ پہلا موقع تھا۔ البتہ خوش قسمتی یہ تھی کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے نمایاں مندوبین میں شامل تھے، اور کانفرنس کے دوران ان کی صحبت سے فیضیاب ہونے کے مواقع میسر آتے رہے، اور حضرتؒ کی شفقتوں نے نہال کئے رکھا۔

اگرچہ یہ کانفرنس اس لحاظ سے کامیاب رہی کہ اس میں چالیس ملکوں کے تین سو تیرہ نمائندوں نے بڑی سلامت فکر کے ساتھ اسلامی ملکوں کے نظام تعلیم کے بارے میں مفصل بنیادی اصول مرتب کئے۔ میں نے اس کانفرنس کی پوری تفصیل اور اس پر تبصرہ البلاغ کے جمادی الثانیہ ۱۳۹۷ھ کے اداریے میں لکھا ہے، اور شاید میرے مضامین کے کسی زیر ترتیب مجموعے میں بھی شامل ہوجائے۔

لیکن اسی موقع پر حضرتؒ مولانا سید ابوالحسن علی الندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مجھ سے تنہائی میں فرمایا کہ اس قسم کی بہت سی کانفرنسوں میں شرکت کے بعد میرا تجربہ یہ ہے کہ ان میں شرکت کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا۔ کام تو وہی ہے جو آپ تنہائی میں بیٹھ کر کررہے ہیں۔ آپ اپنے تصنیفی کام کی طرف زیادہ متوجہ رہئے، اور بے فائدہ کانفرنسوں میں شریک ہونے کو کم سے کم ہی رکھیں تو بہتر ہے۔ اس کے بعد میں نے سیاسی اور عمومی

انداز کی کانفرنسوں سے احتراز ہی کی کوشش کی، اور اس طرح کی بیشتر کانفرنسوں میں شرکت سے معذرت ہی کرتا رہا، اور اگر کہیں شریک ہوا، تو کسی مجبوری یا کسی اور فائدے کی توقع کی وجہ سے شریک ہوا۔ البتہ فقہی انداز کی مجلسوں میں شرکت کا بہت موقع ملا، کیونکہ وہ اجتماعی فقہی مسائل میں اہل علم کے باہم مشورے کی ایک مفید صورت ہوتی ہے، اور ان سے معلومات میں اضافے کے ساتھ بہت سے فقہی مسائل منقح ہوئے، اس کی تھوڑی سی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ میں حسب موقع ذکر کروں گا۔

اسی موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ اجتماعی فقہی مسائل میں میں نے آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے نقطۂ نظر میں اعتدال کے ساتھ توسع محسوس کیا ہے، فقہ حنفی کے ساتھ دوسرے مذاہب سے استفادے کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر کیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ اجتماعی ضرورت کے مواقع پر وہ ائمۂ اربعہ میں سے کسی سے استفادے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، البتہ ائمۂ اربعہ سے باہر جانے سے احتراز فرماتے تھے۔ اس پر فرمایا کہ میرے خیال میں ائمۂ اربعہ کے دائرے میں ہماری ہر اجتماعی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ باہر جانے کی ضرورت ہی نہیں۔

اس سفر کی یہ بات بھی مجھے یاد ہے کہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُس وقت دارالعلوم سے رخصت لیکر ہجرت کی نیت سے حجاز آچکے تھے، اور اُس وقت مکہ مکرمہ میں اس طرح مقیم تھے کہ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ وہ مجھ سے ملنے کے لئے فندق مکہ آئے۔ میں نے ان سے تنہائی میں پوچھا کہ آپ کے خرچ کا کیا انتظام ہے؟ اس پر انہوں نے مسکرا کر فرمایا کہ "میرا خرچ ہی کیا ہے؟ سارے دن میں ایک ریال" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہجرت مدینہ کی خاطر کس طرح زندگی گذار رہے تھے۔ ہوٹل میں میرے کمرے کے سامنے چائے کا انتظام تھا، میں نے ان کی خاطر کے طور پر انہیں چائے کی پیشکش کی، تو انہوں نے فرمایا: " یہاں کے مہمان آپ ہیں، اس لئے یہ چائے آپ کے لئے تو جائز ہے، میرے لئے جائز نہیں"۔ میں نے عرض کیا کہ "یہ چائے اسی لئے رکھی ہے کہ جب چاہیں، استعمال کریں، اور اس کے بارے میں عرف یہ ہے کہ مہمان کا مہمان بھی مہمان ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے یہ پیش کی ہے، ورنہ جن چیزوں میں عُرف نہیں ہے، ان میں میں یہ تصرف نہیں کرتا"۔ اس پر فرمایا کہ "اس تفصیلی توجیہ میں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ میں چائے نہیں پیوں گا تو نقصان ہی کیا ہے"؟ ان کے اس تقویٰ کا دل پر بہت اثر ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں۔ وہ مذاق مذاق میں بھی بڑے افادات ارشاد فرماتے رہتے تھے۔

Scanned with CamScanner

مکہ مکرمہ کے بعد چند دن مدینہ منورہ میں بھی بڑی عافیت کے گذرے، اور اس کے بعد گھر واپسی ہوئی۔

اعلاء السنن کی تھوڑی سی خدمت

حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اعلاء السنن" کے نام سے ایک عظیم تالیفی منصوبہ شروع فرمایا تھا۔ اس کا بنیادی مقصد ان احادیث کو جمع کر کے ان کی مفصل شرح کرنا تھا جو حنفی مسلک کی بنیاد ہیں۔ ابتداء میں یہ کام حضرت مولانا احمد حسن سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے فرمایا تھا۔ بعد میں یہ کام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد فرمایا، اور انہوں نے یہ عظیم الشان کتاب جس عرق ریزی اور قابلیت کے ساتھ مرتب فرمائی، اس کی نظیر اس دور میں ملنی مشکل ہے، لیکن یہ کارنامہ مسودے کی شکل میں تھا، اور پہلی بار حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے وسائل کی کمی کی وجہ سے اُسے معمولی کاغذ پر کتابت وطباعت کے معمولی معیار کے ساتھ شائع کر دیا تھا، تاکہ وہ محفوظ ہو کر اہل علم کے پاس پہنچ جائے، اور جب کبھی اُسے اچھے معیار پر شائع کرنے کی نوبت آئے، تو اُس سے کام لیا جا سکے۔

جب حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اعلاء السنن کو کمپوزنگ کر کے اپنے ادارۃ القرآن سے شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا، تو حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کی جلد اول پر نظر ثانی فرمائی، جس کی تفصیل میں نے اعلاء السنن کے مقدمے میں بیان کی ہے۔ اس موقع پر مجھے خیال آیا کہ اعلاء السنن میں جن کتابوں کے حوالے آئے ہیں، ان کے ایڈیشن بدل چکے ہیں، اور اب لوگوں کو ان کے حوالوں کی تلاش میں دشواری پیش آ سکتی ہے، اس لئے نئی طباعت کے وقت میں حاشیے میں نئے ایڈیشنوں اور متعلقہ ابواب کے حوالے دیدوں، تو قارئین کو آسانی ہوگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نام پر میں نے یہ کام شروع کر دیا۔ اس کے لئے کتابوں کی مراجعت کی ضرورت تھی، اس لئے میں نے یہ کام دار العلوم کے کتب خانے میں بیٹھ کر شروع کیا جو اُس وقت انتہائی خستہ حالت میں تھا۔ شروع میں صرف اتنی بات پیش نظر تھی کہ حوالے نئے دیدیئے جائیں، لیکن جب کام شروع کیا، تو کچھ اور پہلو بھی سامنے آئے، مثلاً جن فقہی مسائل پر حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے گفتگو کی تھی، ان میں فقہاء کے مختلف مذاہب کا تذکرہ جہاں اصل کتاب میں نہیں تھا، وہاں مذاہب کی تھوڑی سی تفصیل بھی ذکر کر دی، اور بعض جگہ احادیث کی تخریج بھی۔

حضرت شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ اُس وقت ریاض میں تھے۔ انہوں نے اس پر بہت خوشی

Scanned with CamScanner

کا اظہار فرمایا۔ پھر میں نے جلد اول کے کچھ فرمے حضرتؒ کی خدمت میں بھیجے، حضرتؒ اس وقت بیمار تھے، لیکن اسی بیماری کے دوران (صفر ۱۳۹۶ھ میں) میرے خط کے جواب میں سات صفحات کا ایک خط ارسال فرمایا جس میں کتاب کے انداز طباعت کے بارے میں مفصل ہدایات بھی تھیں، اور اعلاء السنن کی تقریظ ان سات صفحات کے علاوہ چار صفحات پر مشتمل تھی جو اعلاء السنن کے شروع میں شائع ہوچکی ہے۔ اس تقریظ کے بارے میں اس خط میں حضرتؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا، اُس سے اُن کی تواضع کے مقام بلند کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس خط کا یہ حصہ میں یہاں نقل کرتا ہوں:

" أخى الأعزّ :ما ازال فى اعقاب المرض والحمد لله، وكاد يزول عنّى وقبل زواله خلفه زكام شديد، سد الخياشيم والأسماع، وذهب بالفكر والذهن إلى اعمق الأصقاع، وصرت فى اشدّ الخجل والحرج من تأخرى بالكتابة إليكم، فكتبت والعينان تكفان، والذّهن كليل عليل -الكلماتِ الّتى ترونها صُحبةَ هذه الرّسالة، وارجو أن اكون قاربتُ المقام، ومَعذرةً من التّقصير والتّأخر، واستحلفكم بالله أن تكونوا على أتمّ الحرّيّة والاختيار فى إلغاء الكلمة، أو إثباتِها أو طيِّ ما شئتم منها، أو تعديلِ ما ترون تعديلَه فيها، فهى كلمةُ محبّ ولا ريب-، ولكنّه عليل كليل فعذرُه مقبول، وبضاعتُه مزجاة، ورحم الله امرءاً عرف حدّه ووقف عنده .فتصرّفوا فيها بما ترَون دون ما حرجٍ أو تلكؤ، والله ينفع بكم ويرعاكم.

وأما الملاحظات حول النهج فى الإخراج، فابعث بها إليكم مشاراً إليها على ذات الملازم الّتى اتحفتمونى بها، نظراً إلى أنّى الآن مريض، وإلى أنّ الإشارة المجرّدة دون الإشارة المعرّفة، الّتى قال فيها الإمام أبو حنيفة رضى الله عنه :هى أشهر طرق التّعريف .وآمل أن لا أتأخر فى إرسالها طويلاً".

"میرے عزیز ترین بھائی! میں ابھی بیماری کے آخری مراحل میں ہوں، مرض الحمدللہ زائل ہونے کے قریب ہے، لیکن اس کے زوال سے پہلے شدید زکام نے اس کی جگہ لے لی ہے جو

Scanned with CamScanner

ناک اور کانوں کو بند کر کے عقل اور ذہن کو کہیں دور لے گیا ہے، اور آپ کو خط لکھنے میں جو دیر ہوئی، اس پر سخت شرمندگی اور قلق کی حالت میں ہوں، اور اس خط کے ساتھ (تقریظ کے) جو کلمات آپ کو ملیں گے، وہ اس حالت میں لکھے ہیں کہ آنکھیں بہہ رہی ہیں، اور بیمار ذہن تھکا ہوا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میں قریب جگہ تک پہنچ گیا ہوں، اور جو کوتاہی اور تأخیر ہوئی، اس پر معذرت! اور میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ کو مکمل اختیار ہے کہ جس لفظ کو چاہیں، نکال دیں یا باقی رکھیں، یا جس حصے کو چاہیں، حذف کر دیں، یا اس میں جو ترمیم مناسب سمجھیں، کردیں، کیونکہ یہ اگرچہ بلاشبہ یہ ایک محبت کرنے والے کے الفاظ ہیں، لیکن وہ کمزور اور بیمار ہے، اور اس کی پونجی کھوٹی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو اپنی حد کو پہچان کر وہیں رک جائے۔ لہٰذا اس (تقریظ) میں آپ جو چاہیں، کسی ہچکچاہٹ یا حرج کے بغیر جو چاہیں، تصرف کریں۔ اللہ آپ سے نفع پہنچائیں، اور آپ کی حفاظت کریں۔

جہاں تک کتاب کے طریق کار کے بارے میں میری آراء کا تعلق ہے، آپ نے جو فرمے بھیجے ہیں، میں نے انہی کے حاشیوں پر لکھ دی ہیں۔

اس کے بعد میں نے کتاب کے جو فرمے حضرتؒ کے پاس بھیجے تھے، حضرتؒ نے انہی فرموں کے مختلف مقامات پر اپنی آراء بھیج کر سرفراز فرمایا۔ اور ۶/ شوال ۱۳۶۶ھ کو میرے نام یہ خط لکھا:

بسم الله الرحمن الرحيم

إلى الأخ الكريم فضيلة الأستاذ الشيخ محمد تقى العثمانى الموهوب المحبوب حفظه الله تعالى ورعاه وأكرمه واولاه

السّلام عليكم ورحمة الله وبركاته، وبعد، فارجو ان تكونوا بخير من الله ونعمة وعافية سابغة وارفة.

أبعث إليكم بالملازم الّتى نعِمتُ بالنّظر فيها، امتثالاً لأمركم الحبيب، واشرتُ بعض الإشارات على خِطّتها المطبعيّة رجاء التحسين والتجميل، فوق الكَحَل الجميل، ولعلّ الإشارات بالقلم تفيد ما رغبتم بيانه، ولكم النظر الأسد

Scanned with CamScanner

فى الإثبات والإلغاء لما نهجتموه، والذى اشرت إليه اظنّ انّه يلائم ذوقكم الرفيع، ونظركم البديع، ولكم تحياتى وشكرى، وارفعوا تحياتى إلى سماحة السيد مولانا الوالد حفظه الله تعالى وامدّه بالعافية والشفاء ، ونفعنا بصالح دعواته وانفاسه العالية، وتحيّاتى أيضا إلى فضيلة الأخ العزيز محمد رفيع رفع الله مقامه واتمّ عليه فضله وإنعامه، وإلى أنجالكم المحبوبين، أقرّ الله بهم العيون والقلوب، واكرمنى بصالح دعواتكم جميعا، واستودعكم الله، إلى لقاء حبيب قريب بإذن الله، والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته .

الرياض الأربعاء ٦\١٠\١٣٩٦

عبد الفتاح أبو غدة

ارجو إرسال نسخة (إعلاء السنن) مع حامل هذه التحية، وشكراً.

جس تاریخ کو انہوں نے یہ خط لکھا، اُس کے صرف پانچ دن بعد یعنی ۱۱ر شوال کو حضرت والد صاحب قدس سرہ کی وفات ہوگئی، اور یہ مکتوب گرامی مجھے غالبًا اس حادثے کے بعد ملا۔

اس طرح اعلاء السنن کی پہلی دو جلدوں پر حواشی کا کام الحمد للہ مکمل ہوگیا، لیکن ماشاء اللہ جس رفتار سے اعلاء السنن کی جلدیں چھپ رہی تھیں، میں اُس رفتار کا ساتھ نہ دے سکا، اور پھر مناسب یہ معلوم ہوا کہ اس عظیم کتاب کی اشاعت کو میرے اس کام کی تکمیل کے انتظار میں روکنا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے اگلی جلدیں میری تعلیقات کے بغیر ہی شائع ہوئیں، اور الحمد للہ یہ عظیم کام مکمل ہوگیا۔ بہر حال! دو جلدوں پر ہی سہی، مجھے اس تاریخ ساز کتاب کی تھوڑی سی خدمت کی سعادت حاصل ہوگئی۔

جاری ہے......

☆☆☆

Scanned with CamScanner